Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر

(لمز،لاہور)

مشاعرہ: تہذیب سے تفریح تک

(مہمان اداریہ)

اردو مشاعرے کی تاریخ و تہذیب، جنوبی ووسط ایشیا کی تہذیب کا پرتو لیے ہوئے ہے۔ مشاعرہ خالصتاً مشرقی چیز ہے۔ مغرب میں کسی زمانے میں گانے والے شعرا(bard)ہوا کرتے تھے۔ بیسویں صدی میں شاعری کی قرأت(poetry reading)کا آغاز ہوا۔ کیفے اور کتابوں کی دکانوں میں۔ ڈلن تھامس اور رابرٹ فراسٹ نے بہ طور خاص اسے رواج دیا۔ گزشتہ چالیس پچاس برسوں سےpoetry slamکا رواج ہواہے۔ یہاں شاعری کے مقابلے ہوتے ہیں۔ یہ اوپن مائیک سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی کسی بھی کو عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کی دعوت دے دی جاتی ہے۔ لیکن یہ مشاعرے سے یکسر مختلف ہیں، نہ صرف اپنے وظیفے میں، بلکہ مقصد میں بھی۔ مغرب میں شاعری کی قرأت کا آغاز ایک خاص سبب سے ہوا۔ بیسویں صدی کی نظم مبہم اور مشکل سمجھی گئی۔ یہ تنقیدی شعور عام ہوا کہ نظم کا بیان کنندہ بھی نظم کے معنی میں شریک ہوا کرتا ہے، اس لیے نظم کی مخصوص انداز میں قرأت کو، نظم کی تفہیم کے لیے ضروری سمجھا گیا۔ ٹی ایس ایلیٹ نے اپنی نظمیں بہ طور خاص پڑھیں۔ تاہم ان نظموں کے سامعین عوام نہیں، شاعری کا ذوق رکھنے والے خواص تھے۔ ہمارے یہاں بھی جدید نظم کو اسی طرز پر مخصوص صاحبانِ ذوق کی موجودگی میں سہج سہج پڑھنے کا رواج ہے۔ یہ مشاعرہ نہیں ہے۔

مشاعرہ خالص مشرقی چیز ہے، اور مشرق میں بھی جنوبی ایشیائی۔

مشاعرے کی تہذیب ، تین تہذیبوں سے اثرپذیر ہوئی ہے: عرب، ایران اور ہندوستان۔ عرب کے میلوں اور بازاروں میں پڑھے جانے والے قصائد ور جز۔ ایران کے قہوہ خانوں اور درباروں میں سنائی جانے والی شاعری، اور ہندوستان میں پرانے کوی سمیلن۔ یہ تینوں زبانی روایتیں تھیں، مگر ایک جیسی نہیں تھیں۔ قبل از اسلام کے عرب کے میلے (جن میں عکاظ کا میلہ زیادہ مشہور ہے) تجارت اور تفریح کا امتزاج تھے۔ عرب معاشرے کے

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

پاس فخر کے قابل اجناس اور اشیا نہیں، شاعری تھی۔ پیٹر واٹسن نے اپنی کتاب From Fire to Freud میں عربوں کی انسانی تہذیب میں جس عطا کا بہ طور خاص ذکر کیا ہے، وہ شاعری ہی ہے۔ یہ میلے، اس شاعری کی سرعام نمائش کا بہترین موقع ہوا کرتے۔ شعرا اِن میلوں کے لیے بہ طور خاص نیا کلام لکھتے۔ ایک ''میر مشاعرہ'' ہوتا جو سب شعرا کو سنتا اور آخر میں اپنا فیصلہ سناتا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ مشاعرے عوامی تھے، مگر کسی شاعر کے اہم اور غیر اہم ہونے کا فیصلہ عوام کی داد سے نہیں، شاعری کے رموز سے واقف میر مشاعرہ کے فیصلے سے ہوتا۔ پھر اس قصیدے کو کعبے کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا۔ ایک روایت کے مطابق اسے آبِ زر سے لکھوایا جاتا۔ یہی روایت وسط ایشیا اور ایران پہنچی، مگر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قہوہ خانوں میں پہنچا، دوسرا دربار میں۔ قہوہ خانے عوامی تھے، دربار میں خاص خاص شعرا کو علما اور فنکاروں کے ہمراہ رسائی ملا کرتی۔ عباسی عہد میں الف لیلہ ولیلہ بھی انھی قہوہ خانوں کے قصہ خوانوں نے مل کر بنائی۔ جشن نوروز کے موقع پر شعرا کو دربار میں مدعو کیا جاتا۔ جشن نوروز، عربوں کے میلوں کا متبادل سمجھیے۔ ایک فرق ضرور تھا کہ ایران میں شاعری اور شراب کا حقیقی اور استعاراتی تعلق قائم ہوا۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کے امرا اور راجاؤں کے درباروں میں شعرا و علما جمع ہوا کرتے تھے اور شعر خوانی ہوا کرتی تھی۔ خود شعرا بھی یہ مجلسیں برپا کیا کرتے تھے۔ نویں، دسویں صدی کے سنسکرت کے شاعر راج شیکھر نے ''کاویہ میمانسا'' میں ان کی تفصیل دی ہے۔ علی جواد زیدی نے مشاعرے کی تاریخ میں، راج شیکھر کی اس کتاب سے کئی اقتباسات دیے ہیں۔ ہندوستان میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ہدایت آموز کتابوں کی روایت ملتی ہے۔ ارتھ شاستر بادشاہوں کے لیے، ناٹیہ شاستر کلاکاروں کے لیے، کوک شاستر جنسی زندگی کے لیے، کٹنیوں کے لیے کٹنی متم ۔ کاویہ میمانسا میں شاعروں سے متعلق ہدایات ہیں۔ شاعر کے معمولات کیا ہونے چاہییں؟ راج شیکھر کے مطابق، شاعر دن کا آغاز پوجا پاٹ کے بعد مطالعے سے کرے۔ شاعری کے علاوہ بھی علوم و فنون کا مطالعہ کرے اپنے مطالعے میں کبھی تعطل نہ آنے دے، دوسرے پہر شعر لکھے۔ پھر شعری نشست منعقد کرے۔ شام کو اپنی شاعری پر تنقیدی نگاہ ڈالے۔ شعری نشست میں ہونے والی تنقید کو سامنے رکھ کر اپنی شاعری کی نوک پلک درست کرے۔ گویا شعرا کے گھروں میں نشستیں منعقد ہوا کرتیں تھیں، جن کا ایک پہلو لازمی

طور پر تنقیدی ہوا کرتا تھا۔ شعرا کو راج دربار تک بھی رسائی ہوا کرتی۔ راج کوی کا عہدہ ہندوستانی ریاستوں میں ہوا کرتا۔ شاعری کی عوامی روایت بھی تھی، مگر راج شیکھر شاعری کی ایک اشرافی اور تحریری روایت کا ذکر کرتا ہے۔

بایں ہمہ مشاعروں کا باقاعدہ آغاز، مسلمانوں کی آمد سے ہوا۔ اس آہستہ رفتار سے ہوا، جو مختلف تہذیبی روایتوں کے باہم آمیز ہونے کی شرط ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ عرب روایت، فارسی کے ذریعے زیادہ تر پہنچی۔ مغلوں کے عہد میں فارسی شعرا کثرت سے ایران و وسط ایشیا سے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں مشاعرے فارسی کے تھے۔ مشاعرے کا مطلب ہی فارسی شعر خوانی تھا۔ یہ مشاعرے شعرا کے گھروں میں ہوا کرتے۔ مسلمان بادشاہوں کے یہاں شعرا کی قدردانی کا رواج تھا۔ تاہم دربار میں صرف شعرا نہیں ہوا کرتے تھے، مختلف علوم کے فاضل بھی ہوا کرتے۔ یوں سمجھیے، شاعری اور علم میں وہ تفریق نہیں تھی، جو بعد میں تصور کی گئی۔ اکبر کے دربار میں عبدالرحیم خان خاناں نے بیت العلما قائم کیا تھا۔ یہاں شعرا کو بھی دعوت دی جاتی تھی۔

ریختہ کی شاعری جس مجلس میں پڑھی جاتی تھی، اسے مراختہ کہا گیا۔ مطارحہ کی اصطلاح، طرحی مشاعرے کے لیے استعمال ہوئی۔ بعد میں جب فارسی کے متوازی ریختہ میں شاعری نے عروج حاصل کیا تو مراختہ یا مجلس ریختہ گویاں کی جگہ، مشاعرے کے لفظ نے لے لی۔ ابتدائی اردو مشاعرے میر درد اور میر تقی میر کے یہاں منعقد ہوئے۔ اکبر کے دربار میں بیت العلما قائم تھا، جہاں شعر خوانی ہوا کرتی تھی۔ اردو کے شاہی مشاعروں کا آغاز شاہ عالم ثانی (۱۷۶۰۔۱۸۰۶) کے عہد میں ہوا۔ یہ بعد میں مغل دربار میں مسلسل ہوئے۔ ان مشاعروں کا منتہا، بہادر شاہ ظفر کے دربار میں ہونے والے مشاعرے ہیں۔

مشاعرے کی یہ مختصر تاریخ بتاتی ہے کہ مشاعرے کی تہذیب، دراصل غزل، اردو زبان اور زبانی روایت کی تہذیب ہے۔ استادی شاگردی کا ادارہ اسی کی کوکھ سے نکلا۔ اس بات کو تھوڑا واضح کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مشاعرہ کس مفہوم میں تہذیبی سرگرمی تھا۔ تہذیبی سرگرمی، تفریحی سرگرمی سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ تفریح میں انسانی جذبات کے کھلے، بے روک ٹوک اظہار کی گنجائش ہوتی ہے۔ تفریح میں کوئی سرخ لکیر نہیں ہوتی، جسے پار کرنے کی ممانعت ہو۔ تہذیبی سرگرمی کا مقصود ہی جذبات پر قابو پانا، جذبات کی تہذیب کرنا، ہوتا ہے۔ نیز وضع داری، احتیاط پسندی، رواداری اور طے شدہ اقدار کی پاس داری لازم ہوتی ہے۔ چناں

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

چہ مشاعرے کی شاعری میں زبان کے درست، بامحاورہ ہونے، سند و اعتبار کے حامل ہونے کا خیال رکھنا لازم تھا۔ شاعری میں رکیک، بازاری، غیر مستند الفاظ کا استعمال سخت معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ مشاعرے میں اگر کوئی شاعر ناواجب لفظ، خلافِ قاعدہ ترکیب استعمال کرتا تو مشاعرے میں شریک شعرا یا سامعین معترض ہوتے۔ شاعر یا تو جواب میں سند پیش کرتا یا خفت کا سامنا کرتا۔ مشاعرے میں خفت، شاعری کی دنیا میں مستقل رسوائی تھی۔ اس رسوائی کا بوجھ اٹھانا آسان نہیں تھا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ نے ''دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ'' میں جہاں مشاعرے کی تہذیب کے باقی عناصر کا نقشہ کھینچا ہے، وہیں مشاعرے کے اس پہلو کا ذکر کرنا بھی نہیں بھولے۔ انھوں نے ایک حافظ عبدالرحمٰن احسان کا ذکر کیا ہے جو دہلی میں حافظ جیو کے نام سے مشہور تھے۔ انھیں ''مصرع پر مصرع لگانے میں کمال تھا اور سند ایسے تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض منھ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ ایک روز بادشاہ سلامت (شاہ عالم غازی) نے مصرع کہا:

صبح بھی بوسہ تو دیتا ہے مجھے اے ماہ نہیں

انھوں نے فوراً عرض کی:

نامناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں

کسی نے وقتِ سحر گاہ کی ترکیب پر اعتراض کیا تو انھوں نے جھٹ صائب کا یہ شعر پڑھا:

"آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد	خواب در وقت سحر گاہ گراں می گردد"

فارسی و اردو شعری روایت کا مستحضر رہنا، مشاعرے کے شاعر اور استاد کے لیے لازم تھا۔ مشاعرے میں شریک شعرا اور سامعین، شاعری کا ذوق ہی نہیں، تنقیدی شعور بھی رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں حفظِ مراتب، کلام کو پیش کرنے کے قاعدے، نشست و برخاست اور داد دینے کی باقاعدہ اقدار، مشاعرے کی تہذیب کا حصہ تھیں۔ چناں چہ مشاعرہ پڑھنا، کسی نئے شاعر کے لیے باقاعدہ اعزاز تھا اور شاعری کی دنیا میں داخلے کا پاسپورٹ تھا۔ مشاعرے کی یہ سب اقدار، قواعد اور ضابطے سیکھنے پڑتے تھے۔ اسی سے استادی شاگردی کا ادارہ پروان چڑھا۔ شاگرد، استاد سے زبان، شاعری کے رموز ہی نہیں سیکھتا تھا، اس کلام کو مشاعرے میں پیش کرنے کے آداب بھی سیکھتا تھا اور اکثر مشاعرے میں استاد، شاگرد کی مدد کو بھی آتا تھا۔ استادی شاگردی کا ادارہ وجود میں لانے میں، طرحی مشاعروں کا بھی اہم کردار

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

تھا۔ طرح کے مصرعے پر غزل لکھنا، ایک استاد کے لیے اس کے ہنر کا اظہار تھا اور شاگرد کے لیے ایک مشق، جسے مشاق استاد کی نگرانی ہی میں انجام دیا جا سکتا تھا۔ طرحی مشاعروں نے شاعروں کی شعری تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، استادی شاگردی کا ادارہ، مشاعرے کی کوکھ ہی سے برآمد ہوا، مگر مشاعرے کی تہذیب کو برقرار رکھنے اور آگے بڑھانے میں اس ادارے کا بنیادی کردار تھا۔

انسانی دنیا کی یہ عجب آئرنی ہے کہ یہاں کوئی شے کامل و بے داغ نہیں۔ استادی شاگردی کے ادارے کی تعمیر میں بھی ایک خرابی مضمر تھی۔ مسابقت، مشاعرے کی نہاد میں شامل تھی۔ یہ مسابقت محض اپنے زمانے کا بہترین شاعر تسلیم کرانے تک محدود نہیں تھی بلکہ امرا، نوابین اور بادشاہوں کے درباروں تک رسائی کی خاطر بھی تھی۔ شاعروں کی معاش ہی امرا کی سرپرستی پر منحصر تھی، بلکہ اعزاز و خطاب و خلعت بھی انھی سے ملا کرتے تھے۔ چناں چہ مشاعروں کا مقبول شاعر جو دربار تک رسائی رکھتا تھا، معاصرین کے لیے خطرہ اور ان کے راستے کا پتھر تھا۔ اس پتھر کو ہٹانے میں استاد شاعر کے شاگرد کام آتے تھے۔ شاگرد، مسابقت کی اس جنگ میں سپاہی کا کردار ادا کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے آب ِ حیات، ڈاکٹر محمد یعقوب عامر نے اردو شعرا کے معرکے میں استادی شاگردی کے ادارے کے اس منفی رخ کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ انشا، مصحفی اور سودا کے معرکے قیامت کے تھے۔ انشا نے مصحفی کا واقعی جلوس نکالا۔ شاگردوں کا انبوہ کثیر جمع کیا، جن کے ہاتھوں میں ہجویں تھیں۔ ہاتھیوں کو شامل جلوس کیا۔ پیادہ اور سوار شاگرد، ہجویں پڑھتے جاتے تھے، اور کبر سن مصحفی کی رسوائی سر بازار کرتے جاتے تھے۔ یہ الگ بات کہ ان ہجوؤں میں بھی زبان و فن شعر کا جادو سر چڑھ کو بولتا تھا۔

بایں ہمہ یہ سب عام طور پر مشاعرے سے باہر باہر رونما ہوتا تھا۔ چوں کہ مشاعرے امرا کے یہاں ہوا کرتے تھے، اس لیے وہاں اس کی تہذیب و اقدار کا خیال رکھا جاتا تھا۔ البتہ کہیں چوٹ و چشمک بھی ہوتی تھی تو بالواسطہ ہوا کرتی تھی۔ انھی چشمکوں کے جواب میں میر انیس نے کہا تھا:

"غلط یہ لفظ، وہ بندش بری، یہ مضموں سست   ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو"

مشاعرے کی تہذیب کا ستون دربار تھا۔اٹھارہ سو ستاون کے بعد یہ ستون گر گیا۔اس کا اثر مشاعرے کی تہذیب اور استادی شاگردی کے اداروں پر براہ راست پڑا۔انجمن پنجاب نے مناظموں یعنی نظمیہ مشاعروں کی بنیاد رکھی۔نہ صرف ان میں کلاسیکی اشرافی رکھ رکھاؤ، تزئین و آرائش، ادب آداب نہیں تھے، بلکہ یہ مشاعرے اپنی نہاد میں تعلیمی و اخلاقی تھے۔مشاعرے کی شعریات میں یہ ایک نہایت اہم تبدیلی تھی۔واضح رہے کہ اس سے پہلے بھی مشاعرے میں ایک قسم کا تعلیمی عنصر شامل تھا، مگر وہ صرف اور صرف شاعری کے رموز، زبان و معنی و مضمون کے اکتساب تک محدود تھا۔انجمن پنجاب کے مشاعروں میں وکٹوریائی، نوآبادیاتی تعلیمی تصورات کی بے روح تبلیغ تھی۔یہ نئے تعلیمی نصاب کے لیے نظمیں فراہم کرنے کا واضح مقصد رکھتے تھے۔ڈاکٹر لائٹنز، کرنل ہالرائیڈ، نئے زمانے کے استاد اور مشاعروں کے آرکیٹیکٹ تھے اور محمد حسین آزاد اور حالی ان کے فرمودات کی روشنی میں نظمیں تیار کرتے، کراتے تھے۔

حیدرآباد، رام پور، بھوپال اور دیگر خود مختار ریاستوں میں مشاعرے جاری رہے اور انھوں نے شاعروں کی سرپرستی جاریؔ رکھی، مگر پہلے کی مانند نہیں۔مشاعرے کی جو شمع دہلی دربار میں روشن ہوئی تھی، وہ تیزی سے بجھ رہی تھی اور خاک اڑنے لگی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر تک استادی شاگردی کا ادارہ بالکل آخری دموں پر آگیا۔اب استاد کی جگہ نقاد نے لے لی۔حالی کا مقدمہ، اس اہم ترین تبدیلی کی جانب اہم ترین قدم ہے۔قومی اور عوامی تحریکوں نے مقصدی شاعری کو اپنے منشور کا حصہ بنایا تو قومی و عوامی مشاعرے شروع ہوئے۔انجمن حمایت اسلام کے مشاعرے، قومی مشاعرے تھے۔ترقی پسند تحریک کے مشاعرے عوامی تھے۔قومی مشاعروں کی شاعری میں مذہبی حسیت غالب تھی، جب کہ عوامی مشاعروں میں انقلابی شاعری پڑھی جاتی تھی۔ان مشاعروں کا قومی و عوامی شعور بیدار و متحرک کرنے میں اہم کردار ہے مگر مشاعرے کی پرانی تہذیب ،ان میں کہیں موجود نہیں تھی۔ان دونوں طرز کے مشاعروں میں شریک سامعین شاعری کی جمالیات اور اس کی زبان کی باریکیوں سے لطف اٹھانے کی خاطر نہیں، ایک واضح مقصد کو ذہن میں راسخ کرنے کی خاطر آتے تھے۔ان کے مقابل کچھ دوسرے مشاعرے بھی تھے، جو کلاسیکی عہد کے مشاعروں کی تہذیب کی باقیات کے حامل تھے۔مگر ان کے سامعین نئے تھے۔وہ شاعری کا ذوق اور اس کی باریکیوں سے آگاہ لوگ نہیں، سکولوں کالجوں کے طالب علم تھے۔ان مشاعروں کے مقبول ترین

شاعر اختر شیرانی تھے۔ وہ اس نئی نسل کے جذبات کی ترجمانی کرتے تھے۔ عوامی، قومی، مقصدی مشاعروں کے مقابل، یہ مشاعرے اپنی رومانوی فضا کے باعث مقبول تھے۔ یہاں سے مشاعرے ایک نئے رخ پر چلا۔

قومی وعوامی مشاعروں کے بعد مشاعرے (اختر شیرانی والے مشاعروں سے) میں ایک نئی چیز پیدا ہوئی۔ اسے تفریح کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اِس وقت مشاعرے کی شعریات میں اگر کوئی شے حاوی ہے تو وہ یہی تفریح ہے۔ یہ مشاعرے، کلاسیکی عہد کے مشاعروں کی روایت کی ایک کڑی بالکل نہیں ہیں۔ یہ سطحی طور پر ان کے مماثل ضرور ہیں مگر ان کی شعریات اور روح کا کوئی ذرہ اپنے اندر نہیں رکھتے۔ وہ مشاعرے زبان وکلام، معنی ومضمون اور طرز ادا، داد وبے داد کے سلسلے میں محض تصورات نہیں، باقاعدہ اقدار رکھتے تھے۔ تصور ایک ذہنی چیز ہے مگر قدر ہمارے ادراک واحساس میں گندھا ہوا کم تر و برتر کے فرق سے ماخوذ معنی ہے، جو ہمیں دنیا کو ایک یا دوسری طرح برتنے کے سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے۔

آج کا مشاعرہ تصورات واقدار کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں رکھتا۔ حفظ مراتب کا تھوڑا بہت خیال ضرور رکھا جاتا ہے، مگر اس کا سب سے اہم عنصر پرفارمنس ہے۔ اب شاعر شعر نہیں پڑھتا، شعر کی پرفارمنس دیتا ہے۔ وہ اس کے لیے خاص طرح کا شعر لکھتا یا اپنی شاعری میں سے خاص طرح کا شعر منتخب کرتا ہے، اس کے پڑھنے کے لیے خاص لہجہ وطرز ادا منتخب کرتا ہے اور کچھ اس انداز سے سامعین تک پہنچاتا ہے کہ صرف اس کی زبان نہیں، پورا جسم گویا ہوتا ہے۔ وہ اپنے شعر کے ساتھ خود بھی سامعین پر چھا جانے کی کوشش کرتا ہے، خواہ اس کوشش میں وہ مضحکہ خیز ہی کیوں نہ ہو جائے۔ پہلے مشاعروں میں مسابقت کی بنیاد شاعری تھی، اب پرفارمنس ہے۔ اب ایک شاعر کا مقابلہ دوسرے شاعر کی شاعری سے نہیں، شاعری کی پرفارمنس سے ہے۔

پرفارمنس، تفریح کا لازمی حصہ ہے۔ تفریح میں سامعین کو محظوظ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تہذیبی سرگرمی میں سامعین کو لطف وکیف ومسرت کا تجربہ ہوتا تھا، یعنی ان کے جذبات کی تہذیب وارتفاع ہوتا تھا، وہ شعر کے ذریعے خلق کیے گئے جمال ومعنی کے جلوے کا نظارہ کیا کرتے تھے مگر تفریح میں جذبات کو روک ٹوک کے بغیر ظاہر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے، ہر طرح کے جذبات کو۔ ان کے جذباتی تشنج کو راست ظاہر ہونے دیا جاتا ہے۔ چناں چہ تہذیب میں جو کچھ معیوب تصور ہوتا تھا وہ تفریح میں عین مطلوب سمجھا جاتا ہے۔ تالیوں، سیٹیوں سے آسمان سر پر

اٹھالینا، نعرے لگانا، شاعروں کے ناموں کا کورس کے انداز میں دہرانا،اب کسی شاعر کی مقبولیت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ واہ واہ، سبحان اللہ، مکرر، ارشاد، جناب، حضور جیسے کلمات تفریحی مقام پر جلاوطن ہوتے ہیں اور اگر کہیں بھولے بھٹکے آن پہنچیں تو اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔

یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ ماضی کی تہذیب، آج کی کسی سرگرمی کے لیے کیسے معیار بن سکتی ہے؟ اگر مشاعرہ ایک سماجی سرگرمی ہے تو وہ ہر زمانے میں ایک ہی ڈھنگ پر کیسے برقرار رہ سکتی ہے؟ یہ بالکل جائز سوالات ہیں۔ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی بھی سرگرمی تنہا نہیں ہوا کرتی، وہ کئی دیگر سماجی، معاشی، علمی، ثقافتی عوامل سے تال میل رکھتی ہے۔ جب ایک عنصر منہا ہوتا ہے یا بدلتا ہے تو اس کا اثر باقی سب پر بھی پڑتا ہے۔ مشاعرے نے دربار اور زبانی روایت کے کمزور ہونے کے بعد بدلنا ہی تھا، لیکن وہ جس رخ پر بدلا ہے، اس کا محاکمہ تو کیا جاسکتا ہے، اور اس محاکمے کے لیے بہ طور تقابل اس کی تاریخ کے ایک سنہرے عہد کو پیش نظر رکھنے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے؟ بدلنا ایک حقیقت ہے مگر یہ بات کم اہم نہیں کہ تبدیلی کا رخ، سمت، حاصلات کیا ہیں؟ یہ سوال بالکل جائز اور برمحل ہے کہ مشاعرے کا تہذیب سے تفریح تک کے سفر کا حاصل کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں سرمایہ دارانہ نظام اور تفریح کے تعلق پر غور کی جانب لے جاتا ہے، مگر یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر سے ثقافت بھی ایک صنعت میں بدلنے لگی ہے۔ ایک ایسی شے، جسے بازار میں بیچا جاسکتا ہے۔ تفریح بھی ایک صنعت ہے۔ کوئی تفریح مفت، فی سبیل اللہ میسر نہیں ہے۔ مشاعرے کی سرگرمی میں تفریح، سرمایہ دارانہ پہلو رکھتی ہے۔ مشاعرے کی کلاسیکی تہذیب اگر جاگیرداری نظام سے وابستہ تھی تو موجودہ مشاعرہ، صارفی معاشرت سے وابستہ ہے۔ جاگیرداری نظام، اپنے ٹھہراؤ کے سبب کچھ اقدار کو استحکام دے لیا کرتا تھا۔ عالمگیر صارفی معاشرت میں کچھ بھی مستحکم نہیں ہوتا۔ یوں سمجھیے مشاعرے کی شاعری اور مقبولیت دونوں مستحکم نہیں ہیں۔ تفریحی صنعت خود کو دہرانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ اسے مسلسل کچھ نیا پیش کرنا ہوتا ہے، خواہ وہ پرانے کی نئی ترتیب ہو، یا سرے سے وہ مضحکہ خیز ہی کیوں نہ ہو۔ ڈیڑھ صدی پہلے کوئی سوچ سکتا تھا کہ مزاحیہ شاعری بھی مشاعروں میں پڑھی جائے گی؟ ہجویں مشاعروں میں کیا کبھی پڑھی گئی تھیں؟ لکھنؤ میں ریختی ضرور پڑھی گئی مگر اسی لکھنؤ میں مرثیہ بھی پڑھا جارہا تھا۔ ایک کی کمی دوسری صنف پوری کر رہی تھی۔ یہ الگ بات کہ آج ریختی بھی تانیثی

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 1, June 2024

زاویے سے ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے یہاں مزاحیہ مشاعروں کی مقبولیت کی تاریخ کو دیکھیں تو انکشاف ہو گا کہ یہ آمریت کے دور میں مقبول ہوئے۔ آمریت اور مزاح میں ایک تعلق ہے۔ یہ سادہ تعلق نہیں۔ مزاح آمریت کے جبر کو سہنے کے قابل بھی بناتا ہے اور آمریت کے خلاف غصے کا رخ کسی اور طرف بھی کرتا ہے۔

بہ ہر کیف، موجودہ مشاعرے کی مقبول ترین شاعری، وقتی شاعری ہے، جسے ایک اور قسم کی مقبول شاعری سے مسلسل خطرہ ہے۔ مشاعرے کے کسی مقبول ترین شاعر کی مقبولیت کے مستحکم ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ آج ایک شاعر، کل دوسرا۔ کچھ ہی دنوں بعد کوئی تیسرا۔ مشاعرے کے مقبول و کامیاب شاعر وہ نہیں جو زبان و معنی و مضمون و شعریات کے رموز کے عارف ہوتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو تفریح، پرفارمنس اور صارفیت کے مزاج دان ہیں۔

مشاعرے کی تفریح پسند شعریات نے ادیبوں اور شاعروں کے حلقے میں مقبول شعرا اور مشاعرے میں مقبول شعرا کے دو الگ قسم کے زمرے بنا دیے ہیں۔ ادیبوں شاعروں میں مقبول شعرا، شاعری کے رموز ہی کا نہیں، شاعری اور زمانے، شاعری اور جمالیات کے تعلق کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے انھیں کبھی کبھی شاعروں کے شاعر کا طعنہ بھی سننا پڑتا ہے۔ جب کہ مشاعروں کے مقبول شعرا کے سامعین وہی لوگ ہوتے ہیں جو دوسری تفریحی سرگرمیوں کے بھی اتنے ہی شائق ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات کا انخلا اور راست ترجمانی چاہتے ہیں، جذبات کا ترفع چاہتے ہیں نہ ان کا جذبات کے حسنِ بیاں کا کوئی ذوق رکھتے ہیں۔ وہ شور، ہنگامہ، باجا گاجا، جست و خیز پسند کرتے ہیں، خاموشی اور وضع احتیاط سے ان کا دم گھٹتا ہے۔ ان کی اگر کوئی جمالیات ہے تو وہ شور کی جمالیات ہے، وہ ان کہی اور نیم رخی جمالیات کا ذوق رکھتے ہیں نہ لحاظ۔ چناں چہ تفریح پسند شعریات پر مبنی شاعری، شاعری کا التباس ضرور پیدا کرتی ہے، اردو شاعری کو آگے بڑھانے اور کسی نئے رجحان کی نقیب بننے کا کوئی امکان نہیں رکھتی۔

برادرم ڈاکٹر خاور نوازش کا شکریہ جنھوں نے مجھے جرنل آف اردو ریسرچ کے اس شمارے کے لیے مہمان اداریہ لکھنے کی دعوت دی اور میں اس دعوت کے ذریعے، اس مسئلے پر اپنے خیالات قارئین تک پہنچا سکا۔

ناصر عباس نیّر

لاہور، ۲۹ جون ۲۰۲۴ء

□

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/